امام بخاریؒ اور خدمتِ حدیث

از ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین
صدر شعبۂ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ جامعہ سندھ

امام بخاریؒ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور ان کا نام و نسب یہ ہے: محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بَرْدِزْبَہ۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ بَرْدِزْبَہ کے تلفظ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ اس لفظ میں بائے موحدہ مفتوح، رائے مہملہ ساکن اور دال مہملہ مکسور، زائے معجمہ ساکن اور اس کے بعد بائے موحدہ مفتوح اور آخر میں تائے تانیث موقوف ہے۔ بَرْدِزْبَہ دہقان بخارا کی لغت میں کاشتکار یا کارندہ کو کہتے ہیں۔ نسبتِ ولاء کی وجہ سے ان کو جُعفی کہتے ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں دستور یہ تھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا اس کو اس کے قبیلہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ امام بخاری کے جدِ ثانی (پردادا) مغیرہ یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ اس وجہ سے امام بخاری کو بھی جعفی کہنے لگے۔ امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ اور عید الفطر کی شب میں عشاء کی نماز کے وقت ۲۵۶ھ میں وفات پائی اور عید کے دن نماز ظہر کے بعد دفن کر دیے گئے۔ کل ۶۲ سال عمر پائی۔ ان کی ولادت عمر اور وفات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "وُلِدَ فِی صِدْقٍ وَعَاشَ حَمِیْدًا وَمَاتَ فِی نُوْرٍ" یعنی صدق (۱۹۴) ان کا سالِ ولادت ــ حمید (۶۲) ان کی عمر اور نور (۲۵۶) ان کا سالِ وفات ہے۔

امام صاحب کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حدیث کو آسان کر دیا

سلہ بستان المحدثین مترجم ص ۱۷۷

تھا۔ گویا ان کی تخلیق حدیث ہی کے لیے ہوئی تھی۔ یہ ابھی مکتب ہی میں تھے کہ ان کو حفظِ حدیث کا القاء کیا گیا تھا۔ ابو جعفر[1] محمد بن ابی حاتم وراق بخاری کا بیان ہے کہ میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ اس شان تک کیسے پہنچے تو انہوں نے جواب میں اپنے حالات اس طرح بیان کیے کہ مکتب ہی کے زمانے میں میرے دل میں حفظِ حدیث کا القا کیا گیا جب کہ میری عمر دس سال یا اس سے کم ہی تھی۔ دس سال کی عمر میں مکتب سے فارغ ہوا تو داخلی وغیرہ کے حلقۂ درس میں جانے لگا۔ ایک دن داخلی نے سند بیان کرتے ہوئے فرمایا "سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم" اس پر میں نے کہا کہ ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی۔ داخلی نے پہلے تو مجھے ڈانٹ دیا تب میں نے کہا کہ اگر اصل آپ کے پاس ہے تو اس کی طرف رجوع فرمائیے۔ چنانچہ داخلی گھر کے اندر گئے اور اصل میں دیکھا، پھر واپس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ لڑکے بتاؤ پھر کیا صحیح ہے؟ میں نے کہا زبیر بن عدی ابراہیم سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ داخلی نے قلم مجھ سے لے کر اپنے نسخہ کی اصلاح کر لی اور کہا کہ تم نے صحیح کہا تھا۔ کسی نے امام بخاریؒ سے پوچھا کہ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس وقت میری عمر گیارہ سال تھی، پھر فرمایا کہ جب میں سولہ (۱۶) سال کی عمر میں داخل ہوا تو ابن مبارکؒ اور وکیعؒ کی کتابیں یاد کیں اور اصحاب الرائے کے کلام سے واقفیت حاصل کی۔ پھر میں اپنے بھائی احمد اور اپنی والدہ کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوا۔ حج سے فارغ ہو کر میری والدہ اور میرے بھائی تو بخارا واپس چلے گئے اور میں طلبِ حدیث کے لیے مکہ ہی میں رہ گیا۔ جب اٹھارہ سال کی عمر میں داخل ہوا تو کتاب فضائل الصحابہ والتابعین تصنیف کی اور روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی زمانہ میں تاریخِ کبیر تصنیف کی۔ اس میں کوئی نام ایسا نہیں جس کے متعلق مجھے کوئی واقعہ معلوم نہ ہو لیکن کتاب طویل ہونے کے خوف سے میں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

امام بخاری تحصیلِ حدیث کے سلسلے میں درسِ حدیث کے مختلف حلقوں میں شامل ہوتے رہے۔ پہلے تو شیوخ بخارا سے ذخیرۂ حدیث جمع کیا، پھر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مشہور محدثین سے علم حاصل کیا بعد ازاں بلخ، مرو، نیشاپور، رے، بصرہ، کوفہ، بغداد، مصر، دمشق، قیساریہ، عسقلان

[1] ارشاد الساری جلد ۱ صفحہ ۲۷

حمص کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے حدیثیں حاصل کیں۔ ان علمی رحلات کے دوران جب کہ آج کی سی سفر کی سہولتیں حاصل نہیں تھیں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، ان کا اندازہ مشکل نہیں۔ تقریباً سولہ سال تک ان رحلات کا سلسلہ جاری رہا۔ سخت مصیبتیں اٹھائیں، بھوک پیاس کی شدت برداشت کرنی پڑی۔ لیکن علم حدیث کا شوق انہیں کشاں کشاں لیے پھر رہا تھا۔ اس طرح جن محدثین سے امام صاحب نے حدیث کا علم حاصل کیا، ان کی تعداد ایک ہزار اسّی بیان کی جاتی ہے۔

علم حدیث کے میدان میں امام صاحب کے کارناموں کا اندازہ کرنے اور آپ کا مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس علم کے ارتقائی ادوار پیش نظر رہیں۔

حدیث کے جمع و تدوین کی ابتداء اگرچہ ۹۹ھ سے ہوئی۔ لیکن احادیث نبوی کا قلمبند کیا جانا عہد نبوی ہی سے پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا "الصحیفۃ الصادقۃ" کے نام سے احادیث کا جمع کرنا ثابت ہے۔ نیز صحیفہ ہمام بن منبہ (المتوفی ۱۰۲ھ) بھی ہے جس کو ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب نے ۱۹۵۵ء میں ایڈٹ کر کے حیدر آباد دکن سے شائع کیا ہے۔ یہ وہ صحیفہ ہے جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے شاگرد ابوعقبہ ہمام بن منبہ کے لیے مرتب کیا تھا۔ اس طرح حفظ حدیث اور یادداشتوں کے تحفظ کا سلسلہ عہد رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ اور خاص خاص حضرات نے اسی عہد میں احادیث لکھی تھیں۔ لیکن ان کی نوعیت باقاعدہ تصنیف کی نہیں تھی۔ بوجوہ چند خلافت راشدہ کے دور میں اس کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ بنو امیہ کے ابتدائی عہد میں بھی یہی حال رہا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ آیا تو انہوں نے مدینہ کے گورنر کو حدیثوں کے قلمبند کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ مؤطا امام محمدؒ میں مذکور ہے کہ:

ان عمر بن عبد العزیز کتب الی ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوسنتہ فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء واوصاہ ان یکتب لہ ما عند عمرۃ بنت عبد الرحمن الانصاریہ والقاسم

بن محمد بن ابی بکر[1]

(یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بھی احادیث تم کو ملیں سب کو قلمبند کر لو، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ دنیا سے علماء کے اُٹھتے چلے جانے کے سبب کہیں علمِ دین مٹ نہ جائے اور اس کی بھی فرمائش کی کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کے پاس جو کچھ ہے۔ اس کو بھی اُن سے لے کر لکھ لیں)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس حکم کے بعد تالیف و تدوین کا کام شروع ہو گیا اور ہر شہر کے علماء اس کام میں مشغول ہوئے۔ مدینہ منورہ میں مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) مکہ معظمہ میں ابن جریج (م ۱۵۰ھ) بصرہ میں ربیع بن صبیح (م ۱۶۰ھ)، سعید بن ابی عروبہ (م ۱۵۶ھ) اور حماد بن سلمہ (م ۱۷۶ھ) نے کوفہ میں سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) نے، شام میں اوزاعی (م ۱۵۶ھ) نے، یمن میں معمر (م ۱۵۳ھ) نے، مصر میں لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ) نے اور خراسان میں ابن مبارک (م ۱۸۱ھ) نے اور اسی طرح دیگر مقامات میں لوگوں نے حدیثیں جمع کرنا شروع کیں۔

یہ تمام حضرات ہم عصر ہیں، اس لیے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ان میں سے کس نے سب سے پہلے جمع کیا لیکن چونکہ ابن جریج کا انتقال مکہ میں ۱۵۰ھ میں ہوا اس لیے اگر ان کو مقدم کیا جائے تو بہ قرینِ قیاس ہے۔

غرض اس جمع و تدوین کا کام دوسری صدی ہجری کے نصف اوّل سے شروع ہوا۔ ان جامعینِ حدیث میں بعضوں نے حدیثیں تو جمع کر دیں لیکن ان میں صحیح حدیث کا التزام نہیں کیا، بلکہ جو حدیث ملی اس کو درج کر لیا۔ اور بعضوں نے صحیح حدیثیں درج کیں۔ لیکن اُن کے ساتھ اقوالِ صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی درج کر دیے۔ بعضوں نے احادیث کو مضامین کے لحاظ سے ترتیب دیا۔ اور بعضوں نے اس طرح ترتیب قائم کی کہ ہر صحابی کی جملہ مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کر دیا[2]

---

[1] مؤطا امام محمد۔ الکتاب علم، ص ۲۴۹ بخاری تعلیقاً (کتاب العلم) باب کیف یقبض العلم۔
[2] الرسالۃ المستطرفہ (محمد بن جعفر الکتانی) صفحہ ۱۰

اِن ابتدائی تصنیفات میں سے ہم تک ایک کتاب موطا امام مالکؒ پہنچی ہے، جس کی ترتیب فقہی طرز پر ہے، لیکن سند کے لحاظ سے موطا امام مالک کی تمام حدیثیں متصل نہیں ہیں، کیوں کہ اس میں مرسل روایتیں بھی ہیں جن میں تابعی کسی صحابی کا نام ذکر کیے بغیر کہہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ایسا فرمایا۔ بعض حدیثیں منقطع بھی ہیں کہ جن کی سند میں درمیان سے ایک یا زیادہ راوی ساقط ہو گئے ہیں۔ اور اس میں بلاغات بھی ہیں جن میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص سے یا ایک ثقہ شخص سے حدیث پہنچی ہے۔

اس طرح علم حدیث تدوین و ترتیب کے مراحل طے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ صحاح ستہ کے مصنفین تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں منظر عام پر آئے، جنہوں نے ایسی کتابیں ترتیب دینے کی کوشش کیں جن میں صحیح اور مرفوع حدیثیں ہوں اور سند کے اعتبار سے بے داغ ہوں۔ ان میں امام بخاریؒ شرف و فضل اور تقدمِ زمانی کے لحاظ سے سرفہرست ہیں۔

ان حضرات کا مقصد یہ تھا کہ صرف صحیح حدیثیں ذکر کی جائیں اور ضعیف حدیثیں ترک کر دی جائیں۔ لیکن صحیح اور ضعیف میں امتیاز کرنا انتہائی دشوار کام تھا۔ کیونکہ اس کے لیے راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی، ولادت اور تاریخِ وفات وغیرہ کا جاننا بہت ضروری تھا تاکہ معلوم ہو سکے کہ راوی کی ملاقات اپنے شیخ سے ہوئی ہے یا نہیں، اور راوی قابلِ اعتماد ہے یا نہیں۔ مزید برآں اب نئے حالات پیدا ہو چکے تھے اور مختلف سیاسی اور معاشی اسباب کی بنا پر وضعِ احادیث کا فتنہ شدت سے پیدا ہو چکا تھا۔ اور بعض راوی جھوٹ گھڑنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس کا ہلکا سا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دن امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے مسجد رصافہ میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور ایک حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے بہ سند عبد الرزاق، معمر، قتادہ، حضرت انسؓ سے یہ روایت بیان کی ہے۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ دونوں کہنے لگے کہ خدا کی قسم میں نے یہ حدیث تو اسی وقت سنی ہے۔ جب وہ قصہ گو قصہ سے فارغ ہوا اور حاضرین سے انعام وصول کر چکا تو انعام کی امید میں یحییٰ بن معین کے قریب آیا۔ یحییٰ نے

اُس سے پوچھا کہ تجھ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔ یحییٰ نے کہا کہ یحییٰ بن معین تو میں ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم لوگوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں سُنی۔ اگر تجھ کو جھوٹ ہی بولنا تھا تو کسی اور کے متعلق بول لیا ہوتا۔ اُس نے پوچھا کیا تم یحییٰ بن معین ہو؟ یحییٰ نے جواب دیا ہاں! وہ بولا کہ میں ہمیشہ سے سُنتا آیا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے اور اسی وقت اس کی تصدیق ہو گئی۔ یحییٰ نے پوچھا تو نے کیسے سمجھ لیا کہ میں احمق ہوں؟ اُس نے جواب دیا کہ کیا دُنیا میں تمہارے علاوہ کوئی اور یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہیں؟ میں نے تو سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے روایت لکھی ہے امام احمدؒ نے ہنستے ہوئے اپنی آستین اپنے منہ پر رکھ لی۔ اور یحییٰ بن معین سے فرمایا کہ اسے جانے دو اور وہ کھڑا اُن دونوں کا مذاق اُڑاتا رہا[1]

غرض ان حالات میں کام بہت مشکل تھا لیکن اس کو انجام دینا بھی ضروری تھا کیونکہ یہ ایک دینی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک دن اسحٰق بن راہویہ (متوفی ۲۳۷ھ) نے اپنے حلقۂ درس میں شاگردوں سے کہا۔ "کاش تم لوگ ایک مختصر مجموعہ تیار کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو صحیح کر دے"۔ اس حلقۂ درس میں امام بخاری بھی شریک تھے۔ اُستاد کے اس جملہ نے مہمیز کا کام کیا اور امام بخاری کو اس ضرورت کا احساس ہوا۔ نیز امام صاحب نے بعض خواب بھی ایسے دیکھے جن میں اس کام کی طرف اشارۂ غیبی سمجھا۔ ایک مشہور خواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مورچھل لیے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے مکھیاں دفع کر رہے ہیں۔ تعبیر یہ ہوئی کہ تم سے جھوٹی احادیث کی تنقیح کا کام لیا جائے گا۔ ان محرکات کی بنا پر امام صاحب اس کٹھن کام کے لیے آمادہ ہو گئے۔ لیکن اس کام کے لیے دو قسم کی صلاحیتیں از بس ضروری تھیں اوّل قوتِ حافظہ، دوسرے نقدِ رجال میں مہارت۔ اور قدرت نے اُن کو ان دونوں صلاحیتوں کے عطا کرنے میں انتہائی فیاضی سے کام لیا تھا۔

قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ حاشد بن اسمٰعیل جو امام بخاری کے زمانہ کے محدث ہیں بیان کرتے

---

[1] تذکرۃ الموضوعات (ملا علی قاری) مترجم صفحہ ۶۵ [2] مشتہر

ہیں کہ بخاری طلب حدیث کے لیے میرے ساتھ شیوخ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے لیکن اُن کے پاس لکھنے کا سامان کچھ نہ ہوتا تھا اور نہ وہ کچھ لکھتے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ جب تم حدیثیں لکھتے نہیں تو آنے جانے سے کیا فائدہ؟ سولہ دن کے بعد امام بخاریؒ نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے پریشان کیا، اب میری یاد کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کرو۔ اس مدّت میں ہم نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں، امام بخاریؒ نے تمام حدیثیں اس طرح سنائیں کہ میں خود اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کو اُن سے صحیح کرتا تھا۔[۱]

اور سب سے حیرت انگیز واقعہ تو بغداد کا ہے کہ امام بخاریؒ بغداد پہنچے تو علمائے شہر نے ان کے امتحان کا فیصلہ کیا۔ دس آدمی منتخب ہوئے۔ اُن میں سے ہر ایک نے دس دس حدیثیں سنائیں اور ہر حدیث کی سند اور متن میں اُلٹ پلٹ کر دیا۔ امام صاحب یہ حدیثیں سنتے رہے اور کہتے جاتے کہ مجھے معلوم نہیں۔ جب سب اپنی اپنی حدیثیں سنا چکے تو امام صاحب اسی ترتیب کے ساتھ ہر ایک کو جواب دیتے گئے۔ پہلے شخص کو بُلا کر کہا کہ تمہاری پہلی حدیث کے سند اور متن میں یہ غلطی ہے اور دوسری حدیث کے سند اور متن میں یہ غلطی ہے اس طرح ان سَو احادیث کے متن اور سند کی اصلاح ترتیب وار فرمائی۔[۲]

نقدِ رجال میں امام صاحب کی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے تاریخ کبیر تاریخ صغیر اور تاریخ اوسط جیسی کتاب لکھی جس کی وجہ سے سینکڑوں افترا پردازوں کے راز فاش ہوئے اور ہزاروں غلط واقعات کی قلعی کھُل گئی۔ اسی طرح اس فن کے ذریعے احادیث کے علل[۳] معلوم ہوئے۔ امام صاحب کو علل کی دریافت میں مہارتِ تامّہ حاصل تھی۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جامع ترمذی میں جس قدر میں نے حدیثوں کی علتیں بیان کی ہیں یا رجال یا تاریخ میں کلام

---

[۱] ارشاد الساری ج ۱ ص ۲۸ [۲] ایضاً ص ۲۹

[۳] علل علمِ حدیث میں ان اسباب کو کہتے ہیں جو پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن اُن کی وجہ سے حدیث کی صحت اور قبولیت میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ حدیث بظاہر ہر طرح صحیح و سالم ہوتی ہے۔

کیا ہے۔ اس کا اکثر حصہ امام بخاری کی تاریخ سے لکھا ہے [۱]۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علل و اسانید کا امام بخاری سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا [۲]۔

ایک بار علامہ محمد بن یوسف فریابی نے لوگوں کے سامنے ایک حدیث بیان کی جس کی سند یہ تھی: "سفیان عن ابی عروبہ عن ابی الخطاب عن ابی حمزہ۔ حاضرین میں سے کوئی بھی سفیان کے اُوپر کے راویوں کو نہیں سمجھ سکا۔ اس لیے کہ سب کنیت کے ساتھ مذکور تھے۔ امام بخاری نے اسی وقت عرض کیا کہ ابو عروبہ تو معمر بن راشد ہیں، ابو الخطاب سے مراد قتادہ ہیں اور ابو حمزہ انس بن مالک ہیں اور یہ کہہ کر عرض کیا کہ سفیان مشہور راویوں کو کنیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں [۳]۔

امام بخاری بے پناہ قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ زہد و تقویٰ کی صفات سے متصف تھے۔ اور نقدِ رجال میں اُن کی مہارت اس قدر مسلم تھی کہ جس شخص کے متعلق انہوں نے کہہ دیا کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے تو محدثین اس سے روایت کو حلال نہیں سمجھتے تھے۔ اور جس راوی کو اُن کی کتاب میں جگہ مل گئی تو اُس کا بیڑا پار ہو گیا۔ ان صلاحیتوں کے ساتھ امام بخاری اپنی "صحیح" کی تالیف کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی حفظ کی ہوئی چھ لاکھ احادیث میں انتخاب کر کے صحیح بخاری مرتب کی اور اس مجموعہ کا نام الجامع المسند الصحیح المختصر من اُمورِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَسُنَنِہٖ وَاَیَّامِہٖ رکھا۔ ہر حدیث کے انتخاب میں پورے احتیاط سے کام لیا۔ ہر حدیث کو مکمل طور سے جانچا، ہر حدیث کی تخریج سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نمازِ استخارہ پڑھی، اس اہتمام کے ساتھ پوری کتاب لکھی۔ کتاب مکہ معظمہ میں تالیف کی اور اس کے تراجم ابواب، مدینہ منورہ میں روضہ شریف اور منبرِ نبوی کے درمیان درج کیے۔ پھر امام صاحب نے اپنی تالیف کو بڑے بڑے نقادانِ فن مثلاً امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور ان کے معاصرین کے سامنے پیش کیا۔ ان لوگوں نے ایک ایک حدیث جانچ کر اُس کی صحت پر اتفاق کیا۔ امام بخاریؒ سے بلاواسطہ اس کتاب کو پڑھنے والے نوّے ہزار ہیں۔ اس حیثیت سے امام بخاریؒ کے وصال کے بعد اُن کی کتاب کو متواتر

---

[۱] کتاب العلل (للترمذی) صفحہ ۲۵۸ [۲] ایضاً صفحہ ۲۵۹

[۳] ارشاد الساری جلد ۱ صفحہ ۲۹

کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم اپنی کتاب تدوینِ حدیث (صفحہ ۲۷۹) میں لکھتے ہیں:۔

"بخاری میں بعض روایتوں کو ثلاثیات بخاری کہتے ہیں۔ یہ اُن روایتوں کا نام ہے جن میں امام بخاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کل تین آدمیوں کا واسطہ ہوتا ہے۔ مولانا بحرالعلوم نے ان ثلاثیات ہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بخاری کے بعد تو اُن کی کتاب متواتر ہوگئی، اس لیے بخاری کے بعد ان سارے ثلاثیات کی حیثیت ہر مسلمان کے لیے رباعیات کی ہوگئی ہے۔"

مولانا بحرالعلوم کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ومن ثمہ کان ثلاثیات البخاری رباعیات لنا لان صحیحہ متواتر عنہ فکانا سمعنا من البخاری فلم یزد الا واسطۃ و ھی نفسہ" (فواتح الرحموت جلد ۲ صفحہ ۱۹)

گویا یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم نے اس کتاب کو براہ راست امام بخاری سے سُنا ہے کیونکہ ان کے بعد یہ کتاب گویا متواتر ہوگئی ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جن شرطوں کا لحاظ رکھا ہے اُن کا ذکر امام بخاری نے خود تو نہیں کیا ہے، لیکن جن حضرات نے اس کا غور سے مطالعہ کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب نے کن کن شرطوں کا لحاظ رکھا ہے۔ قسطلانی شارحِ بخاری نے مقدمہ فتح الباری سے مختصراً اس سلسلہ میں جن شرائط کو نقل کیا ہے۔ اُن میں سے اہم یہ ہیں:۔

۱۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے ان ہی حدیثوں کو ذکر کیا ہے جو درجہ اوّل کی ہوں اور اوّل درجہ کی حدیث یہ ہے کہ کسی مشہور صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہو اور اس کے دو ثقہ راوی ہوں، پھر صحابی سے کسی مشہور تابعی نے روایت کی ہو اور اس کے دو ثقہ راوی ہوں، پھر اسی طرح تبع تابعین نے تابعی سے روایت کی ہو، اس کے بعد امام بخاریؒ و مسلمؒ کے وہ شیوخ ہیں جو حفظ و اتقان میں مشہور ہیں۔ اگرچہ یہ شرط بعض صحابہ کے سلسلے میں قائم نہیں رہی ہے۔ لیکن صحابہؓ کے مابعد کے طبقات میں اس کا لازماً اہتمام کیا ہے۔ کیونکہ اس کتاب کی اصل میں

کوئی حدیث ایسی نہیں جس کو صرف ایک ہی راوی نے نقل کیا ہو۔

۲ــــ امام بخاری اور مسلم دونوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ ان ہی احادیث کو ذکر کیا جائے جن کے راویوں پر مکمل طور پر اعتماد ہو اور صحابی تک جتنے راوی ہیں ان کے ثقہ ہونے پر سبھوں کا اتفاق ہو ان کا سلسلۂ اسناد متصل ہو کہیں سے منقطع نہ ہو۔ اگر صحابی کے دو یا زیادہ راوی ہوں تو زیادہ اچھا ہے۔ ورنہ اگر صرف ایک ہی راوی ہو تو سند صحیح طریقے سے وہاں تک پہنچتی ہو تو کافی ہے۔ امام بخاری نے بہت سے لوگوں کی روایات کو شبہ کی بنا پر ترک کر دیا لیکن امام مسلم نے شبہ زائل ہونے کے بعد ان کی حدیثوں کو لے لیا ہے۔

۳ــــ ایک اور کڑی شرط جس کا امام بخاریؒ نے لحاظ رکھا ہے وہ یہ ہے کہ "معنعن" روایتوں میں اتصالِ سند کے لیے وہ صرف معاصرت کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ملاقات بھی ثابت ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محدثین حدیث نقل کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔ ابن الصلاح نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں جو مقدمہ ابن الصّلاحؒ کے نام سے مشہور ہے اس کی آٹھ صورتیں بیان کی ہیں، جن میں پہلی صورت تو یہ ہے کہ خود شیخ سے سنا جائے، خواہ وہ املا کرائے یا بغیر املا کے حدیث بیان کرے۔ زبانی ہو یا کسی کتاب سے پڑھ کر سنائے۔ جمہور محدثین کے نزدیک یہ صورت سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور اس صورت کو بیان کرنے کے لیے سننے والا اگر حَدَّثَنَا، اَنْبَأَنَا، سَمِعْتُ فلانا یقول، قال لنا فلان، ذکر لنا فلان کے الفاظ سے ظاہر کرے تو عیاض بن موسی السبتی کے قول کی بناء پر بلا کسی اختلاف کے جائز ہے۔ حافظ ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ سب سے ارفع عبارت "سَمِعْتُ" ہے، یعنی میں نے سنا پھر حدثنا اور حدثنی (یعنی ہم سے فلاں نے حدیث بیان کی) ہے۔ بعد میں محدثین اخبرنا کا لفظ صرف اس صورت میں استعمال کرنے لگے جبکہ شاگرد شیخ کے سامنے پڑھے اور شیخ سنے۔

گویا ان تمام الفاظ میں راوی صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ مجھ سے فلاں نے حدیث بیان کی، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے مروی عنہ سے یا یوں کہیے کہ شاگرد نے استاد سے ملاقات کی ہے۔

---

[1] مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۵ تا ۷

جبھی تو اُستاد نے شاگرد سے حدیث بیان کی۔ اس لیے یہ سند متصل ہے لیکن اگر یہ صورت ہو کہ راوی اس کی صراحت نہیں کرتا ہے کہ مجھ سے فلاں نے حدیث بیان کی بلکہ وہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ زید عن عمرو عن بکر یعنی زید نے عمرو سے اور عمرو نے بکر سے روایت کیا تو محدثین اس قسم کی روایت کو معنعن کہتے ہیں۔ اس قسم کی روایتوں میں اتصالِ سند کے لیے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک کی ملاقات دوسرے سے ثابت ہو۔ لیکن امام مسلم فرماتے ہیں کہ اگر دونوں معاصر ہوں تو اس معاصرت کی بنا پر سند کو متصل سمجھا جائے گا۔ امام مسلم نے اگرچہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں اس پر بحث کی ہے اور اپنے موقف کی تائید میں اور امام بخاری کے مسلک کی تردید میں پورا زور صرف کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ معنعن روایتوں کے سلسلے میں امام بخاریؒ کا موقف زیادہ قوی ہے۔

ان سخت شرطوں کی پابندی اور اپنے وضع کردہ طریقۂ کار کی وجہ سے امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری کو امت مسلمہ سب سے زیادہ صحیح کتاب تسلیم کرتی ہے اور اس کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے۔

شاہ ولی اللہ کتب حدیث کے طبقات کے بیان میں فرماتے ہیں:-

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچتی ہیں اور جو ان کی عظمت نہ کرے وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔"[1]

ابن خلدون نے صحیح بخاری کے متعلق کہا ہے کہ:-

"میں نے اپنے اکثر شیوخ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کتاب بخاری کی شرح امتِ پر قرض ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ امت کے کسی عالم نے کما حقہ اس کی شرح نہیں کی ہے"[2]

اُمت اس قرض کو ادا کر سکی یا نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ علمائے اُمت نے کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ جس کتاب کی طرف اپنی توجہ مبذول کی وہ یہی صحیح بخاری ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل صفحہ ۲۲۸

[2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۸۷